

خیلین

قاضی ہلال دلوئی



Qazi Hilal Dalnavi

خیابان

قاضی برائے آل و لنوی

اپنے
چھوٹے
بھائی
قاضی
منظور
دلنوی
کے
نام

Digitized By eGangotri

اپنی بات

"خیابان" میرے گیارہ سالہ کلام کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ اس میں نظمیں، غزلیں اور قطعات و رباعیات شامل ہیں۔ شاعری کو دلی جذبات کا اظہار تصور کرتا ہوں اور میری شاعری محض ان حوادث و آلام کا بدیہی نتیجہ ہے جو ابتداء سے آج تک قدم قدم پر میرا دامن فحاش چکے ہیں۔ میں ذاتی زندگی میں تضادات کا تختہ مشق بن چکا ہوں۔ مستقل مزاجی کا میری فطرت میں کوئی دخل ہی نہیں ہے۔ طبعاً حد سے زیادہ حساس واقع ہوا ہوں۔ جو اکثر مجھے مافی الضمیر کھل کر اظہار کرنے میں مانع آتا ہے اور یہی چیز میری چند خداداد صلاحیتوں کو ابھرنے نہیں دیتی۔ زندگی کے جمیلوں اور ہنگاموں سے دور رہنا میری فطرت ہے۔ نام و نمود سے آج تک برابر اپنا دامن بچائے رکھا ہے۔

اگرچہ ہمیشہ ہی بقول غالب "رہیں ستم ہائے روزگار" رہا لیکن ایک گونہ اطمینان مجھے بلاشبہ اس بات سے حاصل ہے کہ جتنی بلازمت کے سلسلے میں جہاں گیا اپنے شاگردوں میں مقبولیت و عقیدت حاصل رہی اور میں ایک پیشہ ور استاد کی حیثیت سے اس چیز کو اپنے لئے سب سے بڑے اعزاز و افتخار کا باعث سمجھتا ہوں۔

کتابوں کا مطالعہ بچپن سے ہی میرا محبوب ترین مشغلہ رہا ہے اور میں

بلا تخصیص قسم کی کتابوں کا مطالعہ نہایت ذوق و شوق سے کرتا رہا ہوں۔ اس میں فلسفہ سے لیکر جنسیات تک اور ادبیات سے لیکر مذہبیات تک ہر طرح کی کتابیں شامل ہیں البتہ پڑھنے کی نسبت لکھنے کی جانب بہت کم مائل رہا۔

شعرو شاعری کی طرف میرا رجحان یوں تو بچپن سے تھا۔ لیکن درمیان میں طر "نہیں آتی جو ان کی یاد برسوں تک نہیں آتی" کے مصداق تخلیق شعری کی طرف بے توجہی برتتا رہا اور اسی رُک رُک کر شعر کہنے کے عمل کا نتیجہ ہے کہ زیر نظر مجموعہ کلام میں آپ کو میرے شعری ارتقا کے تعین میں دقت محسوس ہوگی۔

شاید میرا یہ مجموعہ ابھی منصفہ شہود پر نہ آتا اگر میرا عزیز شاگرد رشید کانپوری میرے کلام کے منتشر اوراق کو کافی سخت کر کے منضبط نہ کرتا۔ پھر بھی اس میں شامل کلام تخلیقی تسلسل کے ساتھ مرتب نہیں ہو سکا ہے کیونکہ ایسا کرنا مجھ جیسے تساہل پسند انسان کے بس کا روگ نہیں جیسا کہ میں نے ابتداء میں بیان کیا کہ یہ مجموعہ کم و بیش گیارہ سال کی شاعری کا انتخاب ہے۔ انتخاب بہر حال انتخاب ہی ہے جس میں کچھ اچھی چیزیں شامل ہونے سے رہ گئی ہوں گی اور بعض ناقابل قبول چیزیں شامل ہو چکی ہوں گی۔ میں کسی بھی نیک مشورے کا خیر مقدم کروں گا اور قارئین حضرات سے امید ہے کہ وہ اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں گے تاکہ میں آئندہ ان سے دامن کش ہو جاؤں۔

خیابان کی ترتیب و طباعت کے سلسلے میں محترم نشاط انصاری اور جناب محمد احسن نے اپنے بیش قیمت مشوروں سے میری مدد فرمائی اس کے لئے ان دونوں دوستوں کا شکریہ بجا لاتا ہوں۔

قاضی ہلالہ دہلوی

دلہ۔ بارہ مہولہ
یکم جولائی ۱۹۶۹ء

شجر گل

Digitized By eGangotri

متوازی خطوط

میں کہ افسردہ و ناشاد وستم دیدہ ہوں
 میں وہ تار کہ گزرات فلک سے یکسر
 قطرہ اشک کے صحرا سے ٹپک جائے کوئی
 تم کہ جس راہ سے گزرو تو بہار آجائے
 کہکشاں چھک کے قدم چوم لیا کرتی ہے
 کتنی ہی گوہر نایاب نچھپا اور تم پر
 ہیں کہ گل کھلنے نہ پائے تھے قفسِ پتیا
 دن تو رو رو کے گزارا اور جبات آئی
 ہم صفیروں کی جگہ بوم کی آئی آواز
 تم ببولوں کو گلابوں کی قبائیں بخشو
 دن سمن زاروں میں شب طرب و تسنن جائیں
 لمحہ لمحہ وہ خوشی دکھ کا تصور بھی نہ ہو

ہاں سمندر کی بلا خیر تھیں موجیں کچھ بھی
میری کشتی نے بھی طوفانوں سے ٹکرائی ہے
عین گرداب میں تپو اگر ٹوٹ گئی

تم کہ موجوں نے کبھی راہ نہ رو کی ہرگز
اور اگر اٹھا بھی طوفان سلامت گذرا
یہی کشتی تھی کہ لے آئی کنارے تمہیں

ایک بھی ہاتھ نہ اٹھا کہ دعائیں دے مجھے
ساز جو ہاتھ لگا راگِ لاپے غم کے
غم بہ دل، مہر بہ لب، خون بہ شرہ ہون یا رو
کوئی اس غم کو خوشی سے نہ خمیدہ کرے

تم کہ جس دل کو ستاؤ وہ دعائیں دے تمہیں

جس جگہ جاؤ طرب زار بنے وہ محفل
گل بدن، نغمہ لب، عشرتِ دنیا بکنا

ہو مبارک تمہیں ایسی ہی خوشی بے خم و پیچ
بے کھٹک چلتے رہو ہم کو نہیں ملنا ہے

محبت کی.....

مری جان میں محبت چاہتا ہوں
 تری خلوت میں جلوت چاہتا ہوں
 یہی جنت ہے جنت چاہتا ہوں
 محبت کی محبت چاہتا ہوں

لٹا دو نگہ جواں کا خزانہ

نہیں پر واہ جو دشمن ہو زمانہ

لکھوں گا خونِ دل سے یہ فانا

محبت کی محبت چاہتا ہوں

پھلتے ہیں ہزاروں دل میں ارمان
 تری یادوں کی شمعیں ہیں فروزاں
 تصور میں تم ہی ہو جلوہ سماں

محبت کی محبت چاہتا ہوں
 دلوں کے فاصلے اب کم بھی کر دو

تقاضائے محبت کو سمجھ لو
 نہیں شایاں غرور حسنِ شہ کو

محبت کی محبت چاہتا ہوں

تم ہی یہ لا اِیالی اللہ اللہ
 مقام نازِ عال اللہ اللہ
 مرا شوقِ مرثالی اللہ اللہ

محبت کی محبت چاہتا ہوں

وادی سانکولہ

سرسزمین خطہ لداخ کی تو آبرو
وادی شاداب ہے تو حاصل صدرنگ و بو
برلب دریاے سورسوں فطرت چارسو
شاغز افسردہ خاطر کیلئے ذوقِ نمو

وادی سانکولہ ترے رنگین نظاروں کو سلام
گلشنوں کو سبزہ زاروں کو ہزاروں کو سلام

لہ سانکولہ ضلع لداخ کی ایک حسین وادی ہے۔ یہ کرگل سے جنوب
کی طرف چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

خیابان

ذرّے ذرّے میں یہاں مہرِ یاسمن و سکون
 نے کوئی ہنگامہ خیزی نے غمِ دنیا کے دوں
 واہ یہ رنگین فضا لیکن مرا سوزِ دروں
 کس قدر تڑپا رہا ہے کیا کہوں کس کہوں

وادئی سانکو ترے اعجازِ مرہم کو سلام
 تجھ سے چارہ ساز کو اور تجھ سے ہمد کو سلام

یہ قد اور کوہِ ہر سو مٹھلیں تنہا کے گرد
 جیسے پہرے دار ہوں اک ملکہ مہر کے گرد
 کوئی البیلی دوشیزہ سبزہ خود رو کے گرد
 کرتی ہے اٹھکیلیاں جیسے صبا خوشبو کے گرد

وادئی سانکو ترے اس حسنِ سادہ کو سلام
 اور تیری سٹی بے بھام و بادہ کو سلام

ہر طرف بھولوں کی خوشبو موج میں آئی بہا
 سرفِ نئے چمپے کچھ گل یہاں کچھ گلزار

وہ شبابِ پُرفتن ہر سو قطار اندر قُطاً
اور کوئی مستِ عرفاں زاہد شبِ زندہ

وادی سا نکو ترے بانے جوانوں کو سلام
زہد و تقویٰ سے جو پیراں ان اداؤں کے

غم کے اندیشے نہیں پروائے شہرت و نام
تجھ پہ قربان شہرِ باغِ پُربار اور دلنشین
خاک کے ذرے یہاں کے رشکِ تاج و نگین
یہ کون پرورِ فضا جنت میں بھی ممکن نہیں

وادی سا نکو محلِ تیرے گلشن کو سلام
جائزِ حسنِ حیں لمحاتِ روشن کو سلام

ہاں ایسی تہذیبِ حاضر سے نہیں تو آشنا
وارثِ اسلاف ہے تو گم نہیں یہ مرتبا
پنجتن کی حق پرستی تجھ میں دیکھو بر ملا
یہ تو کمالِ یہ فضا عتلاگ ہے خواہ

وادی ساکو ترے مذہب پرستوں کو سلام
حق شناسوں کو مئے الفت کی مستوں کو سلام

یہ تازہ سیرے گھرا گھر میں خالی برقی نور سے
کم نہیں ہرگز مگر یہ جلوہ گاہِ طور سے
نورِ ایمانی نظرِ آفتابِ ایمان میں دور سے
پیش آتے ہیں محبت سے ہر اک قبور سے

وادی ساکو ترے روشن ضمیروں کو سلام
ان بظاہر مفلسوں دل کے امیروں کو سلام

تیری حالت کا ذکر آتا ہے رہ رہ کر خیالی
دعویٰ منسوب بہندی اور پھر تیرا یہ حال
دیکھنا تو دیکھنا سننا بھی جس کا ہے حال
کچھ نہ کہنے پہنچی نیکن یہ تو کہہ بیگا ہلال

وادی ساکو ترے اربابِ عشرت کو سلام
مفلسی پر خندہ زان تیری حکومت کو سلام

میرا وطن

ارض گل ویا سمن کشمیر ہے
 زندہ دلوں کا وطن کشمیر ہے
 ثانی باغ عدن کشمیر ہے
 مخزن ہر علم و فن کشمیر ہے
 بدلیں ہمیں ہر اکہم ہیں بلبلیں اور چمن کشمیر ہے
 یہ وطن میرا وطن کشمیر ہے

ہر چین اس کے تقدس کی دلیل
 ہر ندی اس کی مثالِ اسلیل

۲ آج تازہ

آج جیوان سے بھری ہر ایک جھیل

رو در جہلم کم نہیں از رو در نیل

گل غزار و گل بدن کشمیر ہے

یہ وطن میرا وطن کشمیر ہے

گود میں ہے اک چمن کوہسار کے

اور کمنول زینت ہیں اس گلزار کے

پھول قاتل ہیں یہاں ہر خار کے

کیا مڑے ہیں دیدہ بیدار کے

ظالموں پر تیغ زن کشمیر ہے

یہ وطن میرا وطن کشمیر ہے

یہ وطن آزاد کا، مہجور کا

یہ چمن ہے میرا، اک حور کا

ہے صمد موسیٰ اسی کے طور کا

لکھ کو عرفاں ہے اس کے نور کا

جان نور الدینؒ تن کشمیر ہے
یہ وطن میرا وطن کشمیر ہے

اللہ اللہ خلد کی یہ سرزمین
خاک اس کی بہتر از لعل و نگین
خطۂ انس و محبت بالیقین
حرفِ نفرت یاں کوئی سننا نہیں

آفتوں کی انجمن کشمیر ہے
یہ وطن میرا وطن کشمیر ہے

یہ سبق دیتا رہا ایمان کا
بول بالا ہے یہاں عرفان کا
یاں نمونہ ہر بشر انسان کا
دہر ہے قائل اسی احسان کا

واقعی دارالامن کشمیر ہے
یہ وطن میرا وطن کشمیر ہے

کون کر لے زیر کس کا حوصلہ
یہ دبانے پر ابھرتا ہی رہا
دوستوں کے واسطے بادِ صبا
دشمنوں کے حق میں پیغامِ قضا

اک مچلتا بانکپن کشمیر ہے
یہ وطن میرا وطن کشمیر ہے

اتنی تعریفیں بجا لیکن ہر آل
اس کی قسمت پر ہوا اکثر ملال
جبرِ ظہر اب بھی کر رہا ہے پائمال
یہ ستم اور اس کی ہمت بے مثال

اپنے سر باندھے کفن کشمیر ہے
یہ وطن میرا وطن کشمیر ہے

مشورہ

اب مرا انتظارِ رست کہ نا

گر بوشِ روزگار کے ہاتھوں
 شوق کی راہ گزری چھوٹ گئی
 نا واصل تک آتے آتے ہی
 مونِ طوفانِ اثر نے آگھیری

آج اب وقتِ انتظار نہیں
 دل کو یارا نہیں اُمیدوں کا
 اب قدمِ مضحکہ خیز چھوڑ
 مرتبہ دواں ہوں میں کھیلوں کا

اب لب بام آفتاب ہوں میں
 دل کا مہربان تم نہ کہنا نا
 میں نے بھی انتظار چھوڑ دیا
 بھول کر تم بھی دل کو بھولنا

چاند راتیں تری نگاہوں میں
 خواب بن کر سنور رہی ہوگی
 جب نیا اک جہاں بسنے پر
 ہم نے تسکینِ زیست پائی تھی

غم کا اب دل کو غم نہیں کوئی
 اب خوشی کا بھی کوئی ہوش نہیں
 زندگی ہے کہ موت اے ہمد
 حذر کوئی نہیں ہے ہوش نہیں

بھول جا تیرا کوئی خواہاں تھا
 بھول تم نے کسی کو چاہا تھا
 یوں سمجھ خواب تھا یہ بے تعبیر
 ایک دن دو پہر کو دیکھا تھا
 اے مری زندگی تری خاطر
 کشتِ حسرت کی آبیاری کی
 تیرہ وتار رہ گزاروں کو
 اشکِ خونیں سے روشنی بخشی
 ہر قدم حسرتیں ہوئیں پامال
 اور تار یک تر ہوئیں راہیں
 میں نہیں لاش ہے شکستوں کی
 لاش ہے یہ سمیٹ لے نہیں

انتظار اب فضول ہے تیرا
 اب مرا انتظار مت کرنا

بہار اور میں

بہار ہی بہار ہے گلوں پہ اک نکھار ہے
 وہ فرشِ سبزہ زار ہے دلوں کو بھی قرار ہے
 کہیں فسادِ دگر نہیں
 مگر مجھے خوشی نہیں
 خزان کے دن گزر گئے خوشی کے جام بھر گئے
 چمن چمن سنور گئے جہاں گئے جدھر گئے
 خیالِ برہمی نہیں
 مگر مجھے خوشی نہیں

وہ دوستوں کے قہقہے یہ بلبلوں کے چہچہے
یہ سبزہ زار لہلہے! وہ آبشار کیا ہے

غموں کی چھاؤں بھی نہیں

مگر مجھے خوشی نہیں

یہ محفلیں سرور کی وہ بزم رنگ و نور کی
اُڑان وہ طیور کی یہ رقص گاہ حور کی

خوشی کی کچھ کمی نہیں

مگر مجھے خوشی نہیں

وہ بادلوں کے کارواں یہ شعلہ خیز بجلیاں

رواں ہیں سوئے گلستاں دوشینرگانِ نغمہ خواں

فقط یہ نغمگی نہیں

مگر مجھے خوشی نہیں

فرانز کوہ کی ندی بجائے سازِ سردی

جوسدراہ بن گئی چٹان وہ اکھاڑ دی

رواں ہوئی رُکی نہیں

مگر مجھے خوشی نہیں

یہ شوخیاں شباب کی وہ صورتیں گلاب کی

رتیں شرابِ ناب کی گناہِ بے حساب کی

غموں کی یہ گھڑی نہیں

مگر مجھے خوشی نہیں

یہ موسم گل و سمن غموں کی دل میں اک چھن

بھلاں تیرا فکر و فن رہیں صد غم و محن

یہ کوئی زندگی نہیں

مگر مجھے خوشی نہیں



خیابانِ تضحیٰ

یہ نہ سوچا کہ ابتدا کیا ہے یہ نہ جانا کہ اتر کیا ہے
 مذہبِ عشق میں روا کیا ہے "دل نادان تجھے ہوا کیا ہے"
 آخر اس درد کی دوا کیا ہے

نہم میں اُنٹی آئے پہلی بار حرفِ مطلب نہ کر سکے اظہار
 اپنا اصرار اور وہ انکار "ہم ہیں مشتاق اور وہ سہنکار"
 یا الہی یہ ماجرا کیا ہے

سچے عاشق کی شان کھتے ہیں دل میں تیرا نشان کھتے ہیں
 جان دینے کو جان رکھتے ہیں "ہم بھی تہ نہ میں زبان کھتے ہیں"
 بوجھ چھو کہہ رہا کیا ہے

دل تو تیرا ہے جوڑنا ہو گا تیری تیرا فیصلہ ہو گا
 وہیں بھرنے ہے جو کیا ہو گا "ہاں بھلا کر نہ برا فیصلہ ہو گا"
 اور درویش کی صدا کیا ہے

ساغر و گل کہاں آئے ہیں ساز و بان کہاں آئے ہیں

”بچہ و کاٹل کہاں آئے ہیں“ سبز و گل کہاں آئے ہیں
اب کیا چیز اور ہوا کیا ہے

جان تم کو پیار کرتا ہوں صدقے تم پر بہا کرتا ہوں
ہمدیہ بار بار کرتا ہوں ”جان تم پر نثار کرتا ہوں“
میں نہیں جانا دغا کیا ہے

یہ جہاں یہ فضلے لاخود انجم و مہر و ماہِ شمعِ کبود
کیا کہا؟ رتے بوڑھے بود ”جب کہ تجھ بن نہیں کوئی
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا

نازِ سامان و نازِ زمین کیوں ہے خود ہی ٹھکتی مری جیس کیوں ہے
میری مسجودِ حیرتِ زمین کیوں ہے ”شکن زلفِ عنبریں کیوں ہے“
نگہِ چشمِ سرمہ سا کیا ہے

خستہ دل کبھی اور خربِ غالب درد کا شرطِ اولین غالب
کوئے حشر کا ہے کہیں غالب ”ہم نے مانا کہ کچھ نہیں غالب“
مفتِ ماتھے آئے تو بر کیا ہے

سحر ہونے تک

شبِ فرقت میں تیری یادِ خنجر کی کک بن کر

چھبی دل میں

چھڑی اک آنسوؤں کی لگ گئی

خیالوں نے دیئے روشن کئے تیری امیدوں کے

ادھر پھر خوف سنا ٹایہ ہیبتناک تنہائی

دیئے آخرِ جلیں کب تک

سیاہی شب کی چھائے گی

بڑی مدت سے جو محفل سجائی ہے خیالوں کی

بکھر جائے گی، اُجڑے گی

بہت افسوس ہے، افسوس ہے، لیکن

نہ تو آئی نہ آئے گی۔



خطہ اوڑی

تیرے کو ہستان ہیں صدر شک لالہ زار سن
 تیرے سنگریزے ہیں قیمت میں در شہوار سن
 تیرے غازی ملک و ملت کے سپہ لار سن
 تیری عصمت کے محافط ہیں ترے کہار سن

خطہ اوڑی چین زار شجاعت مرحبا

تیری چٹانیں ہیں یہ شک معن سن و گہر
 تیرے پتھر ہیں گراں از تو وہ ہائے سیم و زر
 جنگلوں میں یہ تیرے مسخوڑ کن اوپنے شہر
 دعوتِ نظارہ دیتے ہیں بلا خوف خطہ

خطہ اوڑی مرے خوابوں کی جنت مرحبا

مَدّتوں تیری زمین تھی عرصہ کرب و بلا
 تیرے حالِ زار کا برسوں کوئی پُرساں نہ تھا
 تجھ کو اپنوں اور پُراپوں نے کبھی پوچھا نہ تھا
 تو ہدفِ ہمت رہا ظلم کا، ہر حور کا
 خطِ اوڑی تری یہ استقامتِ مہربا

تیرے فرزندوں جھپٹے ہیں ہزاروں دردوں
 جانبِ نزلِ بڑھے لیکن بھروسہ جاہ و چشم
 جہدِ پیہم کا نتیجہ ہو گیا آخرِ ہر دم
 کاوشیں انہی ہیں اور اللہ کا فضل و کرم
 خطِ اوڑی سزاوارہِ فضیلتِ مہربا

رقِ بنِ کُڑھم کے خرمن کو خاکِ ترکیا
 جا بروں پر وار پھر بے تیغ و بے خنجر کی
 مرحلہ پھر فتح کا اس طور تو نے سر کیا
 دیکھنے والوں کو جراتِ نئی شہد کیا
 خطِ اوڑی تری صبحِ مسرتِ مہربا

خواب سے یوں جاگ اٹھے ہیں تیرے شیراز
 کس کی ہمت ہے جو کسے گادو بارہ زبیرا
 گڈیروں کو چال چلنے میں ہوئی ہے دیرا
 یاں سی شاد و فرعون کی نہیں کھیرا

خطہ اور ی یہ تیرے اہل غیرت مر حبا

کاسرا نی کی فقط یہ ابستہ ہے دوستو
 سوچ کر چلنا ہے چل کر سوچنا ہے دوستو
 بڑھتے ہی جاؤ گے نزل تھا منا ہے دوستو
 پھر یقیناً سب کو کہنا پڑیگا دوستو

خطہ اور ی کہ ہے شاہکار فطرت مر حبا



فریب

تم نے نقلی مال بیگیا
 دلکش سے لبیل مگواتے
 شے تھی اک کمزور بھاری کسی
 لبیل تھا خوش رنگ اور دلکش
 شاپ کے دروازے پر خوب نمایاں سے گوشے میں
 لٹکا کر اس لبیل کی رنگیں اور دلکش
 تصویر کو تم نے
 ہر رنگ پر کو اپنی دکان کی جانب کھینچا
 آنے جلنے والے کا دل سوہ لیا ہے اس لبیل نے
 لبیل پر نظریں ٹپک جاتی ہیں
 لیکن گاہک ہو کہ مافر
 اندر اس شے کی اصل کو اس نے کب دیکھا ہے
 میرا تب لبیل ہے یہ میری ہی دل کا۔

لیڈر کا دھما

خدا یا میری لیڈری یوں نبھانا
 اگر جاگنے پر کہیں آگے بھی
 ابھی غریبوں کی آواز سن کر
 نہ ہو مجھ کو فرصت سنو بسوئی
 کہیں کوئی مظلوم روئے تو سمجھوں
 رہیں لوگ بے کار بے گھر گداگر
 جہنم میں جاتیں غریبوں کے ایمان
 حل ہوں فدک بوس مجھ کو میسر
 میں لوگ بھوکوں تو پروا نہیں کچھ
 پیسے لٹوٹے میں ٹھٹھری کہ میں
 میں رہی کا والہ وزارت کا ناشق
 میری آخری آرزو تھی کہ میں
 کہ اس قوم کو نیند سے مرت
 مری لوریوں سے انہیں بچھر سنانا
 مرے دل میں انصاف ذرہ نہ آنا
 مرا کام ہوا اپنی ہی بس سنانا
 کہ یہ راگ پنچم میں گاتلے گا نا
 مگر ہو مجھے کار، بنگلہ، خزانہ
 مرے ہوں مدد فیل افسر شہانا
 کسی کا نہیں ہے نہ ہو کچھ ٹھکانا
 مجھے ہو چکن، سوپ، صبح و شبانا
 مرے سوٹ فیشن میں ہوں عاشقانا
 اسی پر جلانا اسی پر سٹانا
 کہ دونوں میں بھی مجھ کو لیڈر بنانا

تراشہ جارید

رونق جہاں بھر کی ملتے ہوئے چلو
 نقشہ تباہیوں کا ٹھٹھکتے ہوئے چلو
 جمہوریت کے نام پر جتنا بھی ہو سکے
 ظلم و ستم عوام پہ ڈھاتے ہوئے چلو
 ٹیکسوں کے نام پر کبھی بچپت کے نام پر
 سونے کے ڈھیر گھر میں لگاتے ہوئے چلو
 موج صبا میں تلخ دھوئیں مے شین کے
 افسردہ خاطری کو ٹبرھاتے ہوئے چلو
 پیٹ کر وامن کا ڈھنڈورا یہاں وہاں
 سب کو اہل کی بنید سلاتے ہوئے چلو

قائل بنو کہ موت کے پیچھا میر بنو
 لب پر دم سچا جلتے ہوئے چلو
 کشکول میں جو دکھشنا حاصل کہیں سے
 بن کر "بڑے" بموں پہ اڑتے ہوئے چلو
 خود بے دھڑک جماؤ تسلط جو ہو کے
 اوروں کو درس نیکے دلاتے ہوئے چلو
 لیڈر بنو تو میں رہنا بھی سیکھ لو
 رستے چلو تو دھکول اڑتے ہوئے چلو
 خیر کسی کے دل پہ غم نہیں ہمارا
 نغمہ صد اقتوں سے سناتے ہوئے چلو



”...چند حسینوں کے خطوط“

ہیں بھی ملے ہیں حسینوں کے خط
وہ خورشید و شمس مہرہ حسینوں کے خط
وہ نازک بدن نازنینوں کے خط
ادا میں لئے باقرینوں کے خط

بنے آخرش زخم پیہم وہ خط
کہ ہیں آج تک میرے ہدم وہ خط

محبت کی یلگیں ٹرھاتے وہ خط
قیامت مرے دل پہ ڈھاتے وہ خط
رلاتے کبھی اور تھکتے وہ خط
مگر پھر بھی دل کو رچھاتے وہ خط

وہ خط زندگی کی لطافت لئے
وہ خط سینکڑوں عیش و راحت لئے

لئے دھکیاں خود کشی کے وہ خط
 کبھی توڑنے والے وعدے وہ خط
 کئے تر بدن کے لہو سے وہ خط
 کہیں گرم آنسو سے بھیگے وہ خط

وہ خط ہم کو پیروں رلایا کئے
 وہ خط دیکھ ہم تلمسلا یا کئے

وہ پیغام بریاس و حسرت کے خط
 وہ رہن بنے اسن و راحت کے خط
 ہجرت میں انکی خیانت کے خط
 وہ انکار سبکزدامت کے خط

وہ خط جن میں تھارہ قاتل بھرا
 وہ خط توڑ بیٹھے مرا آسرا

وہ اظہارِ مہر و محبت کے خط
 کسی مرض پر وہ عیادت کے خط
 لکھے ایک ایک ماہِ طلوع کے خط
 وہ الفاظ رنگیں نزاکت کے خط

لئے دائمی عافیت کی دُعا
کریں مرضِ تازِ یست لیکن عطا

ہلالِ ابِ جوانی کی شام آگئی
شبِ تار کی تیرگی چھا گئی
گئے دن کہ تحریرِ خط بھاگئی
کئی روزِ یوں نہیں جو پہلا گئی

پلو پھینک دو اب بھلا لو وہ خط
جوانی کے کھاتے میں ڈالو وہ خط



تلاش

کچھ سنگلاخ چٹانیں حائل
 تاریکی کالی ناگن سسی
 ہولہان تھے آباہ پاہم
 لیکن سوچ سمجھ کر رستے میں چلتے تھے
 چلتے تھے تو مل کر چلتے تھے
 منزل کی جانب کونے کھدے جھانک کے ہر پ قدم ملا کر
 بڑھتے جاتے
 پر یہ تابش اور تمازت جب سے پھیلی
 آنکھیں چکاچوند ہوتی ہیں
 راہ سے اکثر بھٹک گئے ہم

آج بھی میں خورشیدِ درخشاں کی تیزی میں
ساتھ اسی ہمراہ کے نکلا

جو صدیوں سے ہر تاریکی ہر مشکل میں

میرا ساتھی میرا ہمدام اور مرا ہمارا رہا ہے
لیکن نورانی کرنوں نے راہزنی کی

سورج جب نصف النہار پہ پہنچا
کچھ لمحوں کا گھیل تھا ایسا

میرا ساتھی مجھ سے بچھڑا
یہ اطلاع عام ہے لوگو

تم کو ملے تو مجھ سے کہنا۔ بس اسکی پہچان یہی ہے
وہ ہر لمحے دہی زبان میں دہراتا ہے

”میرا نام انسان ہے، میں انسان ہوں لوگو“



انجام

موسمِ برسات میں چھائی گھٹا گھٹا گھوڑی
 چند لحوں میں پھواریں اور پھر بارش کا زور
 ایک ریلابن کے ندی وہ فرازِ کوہ سے
 پیچ و خم کھاتے ہوئے بہنے لگی
 کوہساروں چوٹیوں سے شور و غل کرتے ہوئے
 کچھ تناور دیواروں دیو قامت پتھروں کو زیر کر کے
 راستے پر اور کبھی اپنے نئے رستے چنے
 بھول کر آغا ز کو بہتی رہی اور نہ کچھ انجام کا آیا خیال
 جھاگ پٹکاتی ہوئی دیوانہ وار
 کھیتیوں کو لالہ زاروں کو ننگی ہی چلی

راستے میں کچھ پرانی ندیوں نے ساتھ چلنے کو کہا
 کوہ سے آئی ندی مستانہ یوں بہتی رہی
 مست ہاتھی کی طرح چنگھاڑتی آگے بڑھی
 یک ایک اک بکیراں دریا کا ساحل آگیا
 دیکھتے ہی یاسیت ندی کے دل پر چھا گئی
 اب نشیبوں سے فراز کوہ پر جانے لگی
 اُف یہ ناممکن تھا ناممکن بھلا ممکن کہاں
 سوچتی تھی پر قدم دریا کی جانب تھے رواں
 دم زدن میں اُتر در دریا ندی کو کھا گیا
 چند لمحوں میں تماشہ یوں ہوا
 دھاڑتی ندی کی مستی تھم گئی۔



دوہ

۴۶
 شتیل من تھا برہ کی اگنی لاگی ایسی ریت
 یو پھوٹے تک حال بنا وہ راگھ نے کھائی ما

۴۷
 سجن تھے ایسے پنج بھنور میں لا کر تھوڑا ہاتھ

تپ پرانا لاگے مشکل لہریں نادیں ساتھ

۴۸
 سند کو مل دیوی اک اک جگت ایسی تھا

حلوائی کے ہر کپوان پہ جوں بالک لپٹے

۴۹
 دھرم کے رکھش ڈال گئے ہیں دل پر ایسی چٹا

میں جگت کلیان کا کیسے کر پاؤں گا بھاپ

گہائی

گہائیوں کے گہائیوں نے ایسی بھڑکائی ہے آگ

دھرتی کی اٹھرناری کا آج گر گیا سہاگ

پڑھتا سورج یوں آیا بیکراک و شو اس

پہل دن کے دھلتے یار و ٹوٹن لاگی اس

ریت آئے ریت جاتے کتنے برس گئے یوں ریت

دھونڈے سے بھی مل نہ سکیں کوئی سچا میت

کہنے کو تو سب کہتے ہیں سچی بات ہلا آں

سچائی کا سب سے زیادہ دھرتی پر ہے کل



شیخ گل

میں نے اُن کا شباب دیکھا ہے
 ہوش میں ایک خواب دیکھا ہے
 کتنی راتوں میں تجھ کو بھی زاہد
 غرقِ رقص و رہا باب دیکھا ہے
 لمحہ سکوں کو ترسا ہوں
 لحظہ لحظہ خراب دیکھا ہے
 خوف کیا ہو کسی تغیر کا
 میں نے وہ انقلاب دیکھا ہے
 بے دھڑک یوں گناہ کرتا ہوں
 جیسے روزِ حساب دیکھا ہے
 جب بھی دیکھا ہلال کو ہم نے
 غرقِ صراطِ طراب دیکھا ہے

کیا کرے کوئی عرض ہنر دوستو
 کاش ہوتا کوئی دیدہ ور دوستو
 ہو خدا را ادھر بھی نظر دوستو
 دل جلوں کی بھی لینا خبر دوستو
 عشق ہی ہے علاج غم دو جہاں
 کاش ہوتی تمہیں بھی خبر دوستو
 موسم گل بھی ہے اوسے ابر بھی
 ایک ساغر بڑھانا ادھر دوستو
 نیکیاں بھی گنو جانے والے کی اب
 عیب ڈھونڈا کتے عمر بھر دوستو



آوبائیں دلکش رات
بھول کے ہم سار خدشات

جشنِ طرب ان کے لئے
دزد و الم اپنی سوغات

کتنا ارزان سمجھو صدم
دورِ جوانی کو ہیماں

جن پہ بھروسہ تھا اپنا
وہی لگتے بیٹھے گھات

دوست تھا سب دشمن تھے
جو کرتے تھے میٹھی بات

چہرے تو سب روشن ہیں
دل اکثر بحرِ ظلمات

رات کٹی میخانے میں
یا گذری تاروں کے سات

کیسے نبھے اور وہ ہلال
سب کے الگ اپنی بات

کر گئیں بے قرار کچھ باتیں
 رہ گئیں یادگار کچھ باتیں
 مجھ کو قند و نبات لگتی ہیں
 ان کی ناخوشگوار کچھ باتیں
 پھول ہوتی نہیں سبھی اسے دست
 ہوتی ہیں نوک خار کچھ باتیں
 جن کے کچھ دماغ ہیں وہ بھی
 کستے ہیں پیچدار کچھ باتیں
 وقت ناما سازگار ہو پھر بھی
 ہوتی ہیں سازگار کچھ باتیں
 گل بد اماں بنا گئی ہیں زلیست
 اُن کی باغ و بہار کچھ باتیں
 گریہ ساماں ہلا آں ہوتی تھیں
 آپ کی نغمہ بار کچھ باتیں

عجب اک سرخوشی ہے اور میں ہوں
 بلا کی بے خودی ہے اور میں ہوں
 ستار کارواں درکارواں تھیں
 مری تنہا روی ہے اور میں ہوں
 مبارک آپ کو ہوش و خرد ہو
 مری وارفستگی ہے اور میں ہوں
 جسے ہے دیکھ کر دنیا کی حیرت
 وہ طرزِ عاشقی ہے اور میں ہوں
 جہاں کے آئینہ خانے ہیں یارب!
 تری جلوہ گری ہے اور میں ہوں
 ہلال اپنوں نہ بیگانوں سے مطلب
 یہ دنیا اجنبی ہے اور میں ہوں

وہ ہم سے بر ملا اب کیا ملیں گے
 ستاروں کا ہلکا تھا عدو کے ساتھ وہ بھی جا ملیں گے
 ستار بھی کبھی ملنے تھے مُشکل
 گلاب چاندزیریا ملیں گے
 یہ قحطِ آدمیت اُف قیامت
 جہاں میں آدمی صد ہا طیس گے
 میری قسمت میں لکھا ہے اندھیرا
 دلِ ناداں اُجلے کیا ملیں گے
 یہ سچ ہے پھر بہار آئی ہوئی ہے
 بہارِ رفتہ کے گل کیا ملیں گے
 قریب دوستی کھایا جنہوں نے
 وہ کھل کر پھر کسی سے کیا ملیں گے
 بہار اگر نہ جائے گی کبھی پھر
 ہلاک ایسے ہیں وہ جو آ ملیں گے

نغمہ عیش سناؤ کہ بہار آئی ہے
 آملو پھول کھلاؤ کہ بہار آئی ہے
 چاندنی تھکی وہ بادل نے سمیٹا پردہ
 زلف کو رخ سے ہٹاؤ کہ بہار آئی ہے
 ہم نے کیا کیا نہ تم دو رخزان میں جھیلے
 دوستو بھول بھی جاؤ کہ بہار آئی ہے
 تشنگی حد سے گزر جاتے تو مشکل ہوگی
 جام پر جام پلاؤ کہ بہار آئی ہے
 گل بدن رشک بہاراں ہونے کیلئے
 اب تو آغوش میں آؤ کہ بہار آئی ہے
 غم کی سموم ہواؤں کے دن بیت گئے
 اب ہلال ہوش میں آؤ کہ بہار آئی ہے

شورشِ دنیا راس نہ آئی تنہائی سے پیار کیا
چند خیالوں کی محفل میں خوب سچی اپنی دنیا

پھولوں کی جب خوشبو پھیلی عالم سے رنگیں ہوا
ٹیسٹ ٹھی زخموں کی دل میں کانٹوں نے دامن خیا

چاند ستار بھی ہیں روشن سورج بھی ضو افکن ہے
بکھر بھی کیوں ہر شخص اندھیر میں ٹھونڈے ہے یوں

درد و الم کے ماروں پرے چارہ گرو کچھ رحم کرو
آنسو پونچھو کیا ہوتا ہے مرہم کرو زخموں کا

لفظوں کی متعفن لاشیں ہر جانب گورو کفن
مہر و وفا کی باتیں سب افسانے افانوں کا کیا

نخ بستہ جذبے کچھ اور افسردہ ارمان کئی
یہی ہلال ہے اپنی پونجی یہی ہے اپنا سرمایہ

اے دل ان کو یاد نہ کر
خود کو یوں ناشاد نہ کر

تیری جوانی کیا کم ہے
اور ستم ایجاد نہ کر

پیاں کی تو ہین نہ ہو
اپنے وعدے یاد نہ کر

عشق کے عنوان کب ملے
دیر و حرم ایجاد نہ کر

چہرے سب کے دکش ہیں
دل پر ان کو صاد نہ کر

کس کی ہمت پہنکے
طوق و سلاسل یاد نہ کر

عہد شباب ہلال اپنا
رو رو کر برباد نہ کر

اے ستم ایجا دتیرا شکر یہ
اور کربیداد تیرا شکر یہ

تجھ سے پہلے راہ، مستی تیرہ تھی
نور کے شہزاد تیرا شکر یہ

اب غم و آلام کا خوگر ہے دل
مائل بیداد تیرا شکر یہ

شادمانی بخش دی تو نے مجھے
اے دلِ ناشاد تیرا شکر یہ

وہ بسم، وہ خوشی، وہ سرخوشی
اب کہاں ہے یاد تیرا شکر یہ

اے تصور تیرے صدقے جائے
اب بھی ہیں، وہ یاد تیرا شکر یہ

لب پہ ہے اپنے ہلال اب بھی یہی
اے ستم ایجا دتیرا شکر یہ

سون

نفسہ (عیش) سنا میں یارو	غم کو دنیا سے مٹائیں یارو
ہم ہنسی اسکی اڑائیں یارو	اپنا قسمت اُڑایا ہے مذاق
جام گردش میں تولائیں یارو	بے خودی ایک علاج غم ہے
وہ مجھے دیکھ لیں آئیں یارو	دیکھنا چاہیں جو غم کی تصویر
وہ ہیں بھول ہی جائیں یارو	ہم انہیں بھولیں یہ ناممکن ہے
یونہی دم نہ توڑنے جائیں یارو	ضبط غم کی کوئی حد ہوتی ہے
وہ جو زلفوں کو بچائیں یارو	پیچ قسمت کے نور جائیں گے
چوٹِ دل پر جو نہ کھائیں یارو	ان کے شعروں میں ہو کیا سوز و گداز
اشیاں اپنا جلا میں یارو	کچھ تو گلشن ہیں پڑاواں کر دیں

شام غم شام غزل بن جائے
خواب بن کر وہ جو آئیں یارو

غم سے کی گھبرائیں دوست
 چلے ہم مرجائیں دوست
 حرفِ وفا اپنا ایمان
 جب کہنے پر آئیں دوست
 ناز اٹھائے ہیں جن کے
 خار وہ ہم سے کھائیں دوست
 گلشن میں جب مہکیں پھول
 کانٹے خون بہائیں دوست
 ہم جواہرِ جنوں ٹھہرے
 ہم کو کیا سمجھائیں دوست
 زائد بعد میں بحث کریں
 پہلے کچھ پی آئیں دوست
 ہر چہرہ غمگین ہو جب
 ہم ہی کیے کھائیں دوست

یاں تو سب بیگانے تھیں
 کس کو حال سنائیں دوست
 لطف و مروت، جو رستم
 اک دل لا کھ برائیں دوست
 کس کو جانیں چٹا ہلال! اُنہا سمجھیں
 ہم کس پر اترائیں دوست

یہ شب بخیری مقدر ہے ہمارا
ستاروں سے مت چھوڑو خدا را
شفقِ خونیں کہانی کھڑا ہے
بہرِ مٹھنے کو انسان ہے تمہارا
کہاں یہ ہاتھ پاؤں مارتے تھیں
ادھر تم ہو اُدھر پانی کا دھارا
گزرتا وقت ہے دریا کی مانند
گیا تو پھر نہیں مہلت دو بار
ہلا ال یہ چند روزہ زندگی ہے
نہ یوں ضائع کرو اس کو خدا را



اب بھی وقت ہے آؤ نا اب زیادہ تڑپاؤ نا
 خالی جام نہ دو پیارے تہلچھٹا ہی پلاؤ نا
 رات اور اتنی دلکش رات ایسے میں آجھاؤ نا
 دیوانے فرزانے ہیں اہل خرد اتر آؤ نا
 جو ہنستا ہے روتا ہے کلیویوں کاؤ نا
 راہ میں پنی کانٹے ہیں ساتھ ہمارے آؤ نا
 موسیٰ پر ہی ختم ہو کیوں پھر جلوہ دکھاؤ نا
 ارمانوں کے گلشن میں اتنے پھول سجھاؤ نا
 یارو ہم تنہا ہی خوب جھانٹتے ہو تو جاؤ نا

دل میں غم ہوں لاکھ ہال
 اور دُنیا کو تو ہنساؤ نا

نیا بان

آنے کو یوں جہاں ہیں آئے ہزار غیب
 لیکن نہ دل کو بخش کے گی قرار غیب
 خوش حال کو پیام نشاط و سرور ہے
 نادار کو پیام غم بے شمار غیب
 سمجھے تھے ہم کہ ہوگی پیام سکون کی
 وہ غم دیتے کہ تیرا اٹھ اعتبار غیب
 ناکامیابِ عشق کو پیغام اضطراب
 اور کامیابِ شوق کے دل کا قرار غیب
 پیتا ہے اپنا خون جگر آج بھی غریب
 گل رنگِ جام کو کہے سرمایہ دار غیب
 مفلس کو اس آئے محترم ہی دوستو
 سرمایہ دار چاہے کہ ہو بار بار غیب
 ہونگے ہلال اور جنہیں دے گئی خوشی
 اگر مجھے بنا گئی ہے سو گوار غیب

کیا عالم ہے عشق کا عالم لب پہ تسم آ نکھیں پر نم
 تم سے کیا منسوب ہوئے ہم عالم دل ہے درہم برصم
 کوئی خوشی بھی راس نہ آئی کسی نے ایسے بخش دیئے غم
 حال وہی ہے واعظ کا بھی جو اپنا ہے پی کر عالم
 موت بھی رشک سے شرماتی ہے دیکھ کے میری زیت کا عالم
 اہل جہاں کی اُلفت دیکھی باتیں میٹھی اور وف اکم

کس کی یاد ہلا آئی
 ہستے ہستے آنکھ ہوئی نم



صورتوں کے یہ بھولے بھالے لوگ
سب ہی اپنی جگہ نرا لے لوگ

اک ملتے نہسی کا چہرہ ں پر
دل میں اکثر ہیں غم کو پالے لوگ

بیقراری سہی بے قراری ہے
کیسے جیتے ہیں یہ جیالے لوگ

چاند تاروں کو چھولیا تو کیا
دل کے پائیں نہ جب اُجالے لوگ

ہم ہی ضبط الم نہ کر پائے
ورنہ سب ہیں زبان ولے لوگ

تم بھی نکلے ہلال وہ حضرت
چند شعروں پہ جسے ٹالے لوگ



کوچہ جاناں میں جب سے آگئے
 زندگی کا خاص مقصد پا گئے
 کوثر و نسیم سے کیا کام ہے
 وہ نظر کے جام کو چھلکا گئے
 پھر شکستِ توبہ کا ہنگام ہے
 پھر وہ بادل آسمان پر چھپا گئے
 جب کہیں آرام کے سائے ملے
 آگ کے شعلے وہیں پر آگئے
 شورشِ جذبات نے تڑپا دیا
 حسرتوں کو جب کبھی دفن آگئے
 بس اُہنی کا نام زندہ رہ گیا
 کام اوروں کے ہو یہاں آگئے
 کس سے کہیے داستانِ غم ہلال
 لے کے سب اپنے فنا آگئے

لب پہ وفا کی لائی بات
 بے مطلب سی پائی بات
 نظروں میں تصویر چچی
 جیب بھی منہ میں آئی بات
 جب جیب ختم ملنے آئے
 سوچ سمجھ کر کھائی بات
 بزم تری تھی کیا کہتے
 بنتی اک رسوائی بات
 سوچ کی گھڑیاں بیت گئیں
 ایسی کچھ بن آئی بات

چھوڑ ہلا آں زمانے کی
 اس نہ کوئی آئی بات

غم تو آخر تیرا غم ہے کیا کہتے
 شور مچا کیوں رندوں کا یہ محفل میں
 ہم کو بھی اے ناصح عشق نہ کہنا تھا
 وہ جس کو ہم اپنا خاص سمجھتے تھے
 پھر وہ سفینہ کن لگا پے بیچ بھنور
 اہرمنوں کی بستی میں ہم خوب سچے
 روزِ نیا اک عہدِ محبت کرتے ہیں
 لب پہ تبسم آنکھ بھی نم ہے کیا کہتے
 ساقی گم یل سے ہی گم ہے کیا کہتے
 یہ جو اپنا دم میں دم ہے کیا کہتے
 عام ہے زیادہ خاص وہ کم ہے کیا کہتے
 اور وہ آندھی پھر برسم ہے کیا کہتے
 نیردانوں میں اب بھی دم ہے کیا کہتے
 روزِ نئے فتنوں کا غم ہے کیا کہتے

پاؤں شل اور منزل دور ہلا بھی
 رستہ بھی پرتیج و خم ہے کیا کہتے

خیابان

دل میں جب تک اُن کے غم نہیں رہے
 ہضم نہ پا بندِ غم دوران رہے
 دردِ دل جو ہے پہا کسیر ہے
 اک یہی کم ہو سکا کیا اُن رہے
 جس قدر بھی ہوں ہلاکت خیزیاں
 ہم رہیں کشتی رہے طوفاں رہے
 شرفِ آدم کی سنی تھی داستان
 ہم مگر جب تک ہے ارزاں رہے
 ہم نے مانا قیدِ آفت سخت ہے
 پر سدا آباد یہ زنداں رہے

زلیلت اپنی زلیلت ہے جب تک ہلال
 آنچل آئینہ صفت چہرہ رہے

کس طرح کہتے ہیں دن رات تجھے کیا معلوم
 دل کی بستی کے یہ حالات تجھے کیا معلوم
 ہر قدم تیرے قدم، زخم الم، یادِ صدم
 کیسے ہوتے ہیں یہ صدمات تجھے کیا معلوم
 گردشیں دہر کی تھم جائیں کہاں، کیا کہتے
 کیا ستم ڈھائیں وہ لمحات تجھے کیا معلوم
 ہم نے مانا کہ یہ سجد نہیں، میخانہ ہے
 یہ جو زہاد ہوئی برسات تجھے کیا معلوم
 عمر گزری اسی اُمید پہ تم آؤ گے!
 وہ شبستان یہ سپہ رات تجھے کیا معلوم
 جن سے دنیا کو سمنے کی ملی ہے ترغیب
 فاصلِ دل ہیں وہ آلات تجھے کیا معلوم
 اپنی دیوانگسی عشق و محبت کی قسم
 اے ہلالِ حسنِ خطرات تجھے کیا معلوم

کرتے مجھے اسیر اب ہیں آنسو
 چاہیں تو سیلاب ہیں آنسو
 خوشیوں میں بھر آئیں آنکھیں
 غم کی آبتاب ہیں آنسو
 شب بھراں کی تار کی ہیں
 ہلکوں پر مہتاب ہیں آنسو
 موتی جان کے خوب بہتے
 دیکھا تو سیلاب ہیں آنسو
 دریا بھی ہم ہی نہ بہتے
 اب جیسے نایاب ہیں آنسو
 تم آؤ برسات لگے گی
 بہنے کو تباہ ہیں آنسو

جو شکوے الفاظ نہ کر لیں
 ان کی ایک کتاب ہیں آنسو

آؤ جانِ جان کی باتیں کریں
شوقِ بے پایاں کی باتیں کریں

روتے روتے ہی کٹی ہے ساری رات
طرے کے سامان کی باتیں کریں

کچھ تو کانٹوں میں اُچھ کر دیکھ لیں
کچھ گلِ خنداں کی باتیں کریں

چساند تاروں کا ابھی سے فکر کیا
دل جلے انسان کی باتیں کریں

فصلِ گل میں گلِ بدایاں جو بنے
کچھ اُسی مہمان کی باتیں کریں

زندگی جس عشق سے تعبیر ہے
آج اُس احسان کی باتیں کریں

یوں کون نا آشنا کب تک ہلاں
کچھ تو اطمینان کی باتیں کریں

خیال
 آلامِ روزگار کا مارا ہوں دوستو
 ظلمتِ کدو کا ایک سہارا ہوں دوستو
 یہ الجھنیں حیرتِ و آلام کا ہجوم
 گردِ آبِ غم میں پنا کن را ہوں دوستو
 غم پر بھی اپنے یو نہیں اگر سکرادیا
 اس پر بھی خلق کو نہ گوارا ہوں دوستو
 اوروں کیسے ہے اگر انعامِ زندگی
 جیسے ہیں وہ تخریبیں ہمارا ہوں دوستو

دنیا نے جن کا نام رکھا حادثاتِ غم
 دیکھو ہلالِ ان کا اشارا ہوں دوستو

تجھ سے نگاہ ملی ہے جب سے
 رشتہ ٹوٹا عیش و طرب سے
 میری ہستی تیری محفل
 آس لگائے ہوں میں کب سے
 مخلص کون ہے اس دنیا میں
 دل اپنا مایوس ہے سب سے
 رشتے جھوٹے، دنیا جھوٹی
 خوش فہمی میں تھے ہم کب سے
 شمع تسمتا کر کے روشن
 گزرا اُن کی ہجر کی شب سے
 اُف تیری یہ الجھی زلفیں
 دل کے گرد یہ پیچ محبت سے
 اس نے اور ہلال دیا غم
 باز آیا میں بزم طرب سے

محفل دل ہے سونی سونی کوئی پیارے بات کرو
 چاند چھپا وہ سحر ہوئی اور ڈوبے تارے بات کرو
 جب بھی تمہارا نام لیا جیوں کی کلیاں پھول بنیں
 تم نے ٹھکرا کر لیکن توڑے یہ سہارے بات کرو
 دست خزان گلشن، ہستی کو اب تو ویران کیا
 سوچ بہاراں بن جاؤ مہر کا و نظارے بات کرو
 اک لمحہ بھی اطمینان کا سانس نہ لینے پائے تھے
 دکھ اور غم کے ہر لمحے نے خنجر مارے بات کرو



کبھی انکو مردل کی خبر ہوتی تو اچھا تھا
 مری اک آہ اتنی با اثر ہوتی تو اچھا تھا
 فلک بیا سیاں کیوں جب سکتے نہیں ہیں الے
 انہیں کی بے بسی پیش نظر ہوتی تو اچھا تھا
 یہ کیا آنا بھی آئے ابھی جاتے ہو بیٹھو بھی
 شب بھراں بھی ایسی مختصر ہوتی تو اچھا تھا
 تمہاری ہر ادائیں نگ بھرتا استعاروں کا
 تجھ میں ہو وسعت اس قدر ہوتی تو اچھا تھا

ہلاں اپنی جوانی تو کٹی ہے تلخ سہمی میں
 یہ عمر آخری اچھی بسر ہوتی تو اچھا تھا



جس کا حسن ایمان نہیں ہے	لگتا ہے انسان نہیں ہے
جینا آگس دور میں مشکل	مرنا بھی آسان نہیں ہے
تیری یاد میں ڈوبے دل کو	کہیں غم دوران نہیں ہے
لمحہ بھر ہی کاش وہ آئیں	اور کوئی ارمان نہیں ہے
دردِ محبت جس نے بخشا	کیا اس کا احسان نہیں ہے
اس کی چاہت کیا ہے یارو	درد تو ہے درمان نہیں ہے
کیا وہ موتی قدر کے لائق	جو زیب دامان نہیں ہے
جس کا دل ہو دردِ خالی	کچھ بھی ہو انسان نہیں ہے

آنکھ بچا کر یوں مت گزرو
اتنا ہلالِ انجان نہیں ہے



اپنی دنیا آنسو آنسو آن کا عالم گلشن گلشن
 غم نے ایسی آگ لگا دی خاک ہوا ہے دل کا خرمن
 عرش پر تہمت لگانے والو فرش نشینوں کو بی رحم
 اک دے کی خواہش میں یہ دنیا ہے جہنم کا دفن
 نگر نگر ویرانی سی ہے بستی بستی آگ لگی ہے
 امن امن کی ہانکنے والے خون کے پیاسے دشمن
 غنچے چٹکے، کیاں مہکیں سرو دشمن نے رنگ بٹھارا
 گلشن میں یہ فصل بہاراں یا ہے ہر چھوٹے کا جونا
 کوئی ہے شہرت کا بندہ، کوئی ہے دولت کا بندہ
 ایک ہزار نے خوب بنایا گوشہ خلوت اپنا مسکن



چراغِ آرزو بجھنے نہ پائے
غمِ سوہوم ہیں دل سے لگائے

جفا ہو یا وفا اے کینہ پرور
بہر صورت رہو دل میں سگائے

حقیقتِ حسنِ عالم کی نہ جانی
بہت دھوکے دلِ نادان کھائے

سرور و شوق سے ہوں چند باتیں
غموں کا کیا یہ اپنے وہ پرانے

غمِ دل ہو کہ آلامِ زمانہ
چھپے کب تک کوئی کچھ نہ چھپائے

ہلاں اناں بنے اناں تو دیکھو
ہلاں اناں بنے اناں تو دیکھو

آتشِ غم نے جہاں دل جلا کر رکھ دیا
ہم نے اس کو پھر بھی سینے سے لگا کر رکھ دیا

آدمی نے آدمی پر ہر جگہ ہر عہد میں
دوستی کی آڑ میں خنجر چلا کر رکھ دیا

غوبے آکاش کے تاروں پہ الی ہے کمنہ
دیکھ اس دھرتی پہ کمنوں کو رلا کر رکھ دیا

ہم ہنسے تو جیسے ساری بزم تھی بزمِ طرب
روئے ہم تو ایک دنیا کو رلا کر رکھ دیا

آدمیت اک مقمہ ہے ہمارے دور میں
سن کے پردے میں دنیا کو جلا کر رکھ دیا

اک طرف آلامِ دنیا اک طرف بس نکاغم
وہ تو آسان تھا ہلا آں اس نے مٹا کر رکھ دیا

یہ جہاں اک شراب ہے پیارے
 زلیت کیا، ایک خواب ہے پیارے
 جس کا مخفی ہے اول و آخر
 زندگی وہ کتاب ہے پیارے
 دیکھ زاہد وہ ابر جھوم آیا
 لے یہ جام شراب ہے پیارے
 کارگر ہو گئی نظر تیری
 دل کی بستی خراب ہے پیارے
 اگر ظلمت میں وہ رخ تابان
 رشک صدمہ تاب ہے پیارے
 تیری فرقت میں روکے ہواں
 کھو چکا آب و تاب ہے پیارے

تم بھلے ہم بُرے ہی سہی
کچھ تو نسبت ہے دور سے ہی سہی

زیت سے خوف یوں کھائے دل
جینے میں لاکھ مرحلے ہی سہی

نہون آشام ہے یہ عہدِ جدید
شکل میں اسکے آسرے ہی سہی

میرے کوچ میں سب ہی ملتے ہیں
مختلف اپنے راستے ہی سہی

ترکِ راہ طلبِ پناہِ غلط
زندگی بھر یہ مشغلے ہی سہی!

ہائے اپنی بھی کیا جونی ہے
 یاس و حسرت کی اک کہانی ہے
 بے شب و صل یوں نہ جلد گذر
 آج کیا کیا نہ دل میں ٹھانی ہے
 اشک آنکھوں میں اور دل میں درد
 شبِ فرقت ہمیں سجاتی ہے
 نہ تھمو آنسو و نہ ہے جاؤ
 آگ غم کی ہمیں بجھانی ہے
 اُف یہ تیرا شباب اے کافر
 موسمِ گل بھی پانی پانی ہے
 دامنِ زلیت تھا اے ناداں
 پھول مہرے صبحِ سہانی ہے
 کوئی کیونکر ہلاں مجھے گا
 روحِ فرسا غم نہانی ہے

تم بھی آؤ کہ آ رہی ہے رات
 سوئے ارمان جگاہ ہی ہے رات
 میرے ایوان آرزو کے چراغ
 خون دل سے جلا رہی ہے رات
 دیکھ کر تیری کالی زلفوں کو
 دامن اپنا بچسا رہی ہے رات
 غم کے مضراب سے سکوں پرور
 ساز دستی بجا رہی ہے رات
 فتنہ شوق محسوس کریں برپا
 سارے فتنے سرا رہی ہے رات
 میری تقدیر کی سیاہی پر
 کس قدر رخسار کھا رہی ہے رات
 چُن کے موتی یہ میکرانگوں کے
 آسمان کو سجا رہی ہے رات

جان رکھنا ہلاں بہمت کی

موت نہیں جلا رہی ہے رات

شرارِ محبت بکھاؤ تو جانیں
 نظر سے گئے دل سے جاؤ تو جانیں
 جنونِ غم عشق ہے انتہا پر
 یہ حالت ہو اور تم پلاؤ تو جانیں
 جو تصویر ہم پیش کرتے ہیں غم کی
 جہاں بھر میں کوئی دکھاؤ تو جانیں
 بجائے کہ کتبوں میں الفت کو ناصح
 لگا کر کہیں دل اٹھاؤ تو جانیں
 ہلا آں جب غم یار کا سامنا ہو
 غم دہریس ڈوب جاؤ تو جانیں



رات آئے وہ نہ آئیں تو غزل ہوتی ہے
 نیند آنکھوں سے چہرے میں تو غزل ہوتی ہے
 غم، ہستی، غم، جاناں، غم، دل اور غم جاں
 پے پے پر چلا آئیں تو غزل ہوتی ہے
 حسرتیں جن کا گلا گھونٹ دیا تھا ہم نے
 کسی پہلو پر آئیں تو غزل ہوتی ہے
 کلفتیں گھیریں اور میں رہوں کھویا سا
 انگلیاں لوگ اٹھائیں تو غزل ہوتی ہے
 چاندنی ہلکی ہو میخانے سے آئے آواز
 دل میں پہلے سمائیں تو غزل ہوتی ہے
 وہ ہمیں یاد نہ آئیں تو قضا آتی ہے
 ہم انہیں یاد نہ آئیں تو غزل ہوتی ہے
 اپنا ایمان مے و شوق و جنوں حاصل زہریت
 یوں اگر عمر بتائیں تو غزل ہوتی ہے

کہتے ہیں صحرا کہ گستان کہتے
 سب نے سن کر سنا دیا سب کو
 کچھ مرے دل کو جان جاں کہتے
 اب کسے اپنا راز داں کہتے
 ذکرِ آفت ملا یحیٰ غفوں میں
 سچ سمجھئے کہ داستاں کہتے
 یوں تو پھرتا ہوں میں اکیلا ہی
 غم کا چاہے تو کارواں کہتے

تم نہ اتنے ہلا آں تھے ناداں
 دل میں کیوں غم رکھے نہاں کہتے



حُسنِ پابندِ جفا ہو جیسے
 ایسے جیتے ہیں جہاں میں ہم لوگ
 درد و غم لطف و کرم کے بدلے
 بہکی بہکی تری باتیں واعظا
 دیکھنا آج باندازِ دیگر
 حُسن والوں کی پرستش یوں کی
 اس طرح اوروں کے غم اپناے
 ہر قسم حصّہ مرا ہو جیسے
 عشق پھر بھی نہ ہو غنا جیسے
 زندگی کوئی سسٹرا ہو جیسے
 یہ بھی اک طرزِ وفا ہو جیسے
 جام بھر آج پیا ہو جیسے
 تجھ کو بھی خوفِ ذرا ہو جیسے
 ہر صنم اپنا خدا ہو جیسے
 ہر ستم حصّہ مرا ہو جیسے

بادِ پیما کبھی ہوتا تھا ہلال

اب مگر آبلہ پا ہو جیسے!

کس سمت اٹھ رہے ہیں قدم کچھ نہ پوچھیے
 دھڑکتے عاشق کتنے ستم کچھ نہ پوچھیے
 زاہد ہی جانے فرق گناہ و ثواب کا
 رندوں پہ جامِ جامِ کرم کچھ نہ پوچھیے
 ہوتا ہے رنگِ دل کے چین کا لہو لہو
 آغازِ صبح گل کا صنم کچھ نہ پوچھیے
 اٹھی نگاہِ جسرِ طرفِ امیدِ شوق سے
 دامنِ کشتیِ غارِ الم کچھ نہ پوچھیے
 آئینہِ مہیات کی یہ دلِ فریبیاں
 ہر اک تری ادا کا بھرم کچھ نہ پوچھیے
 آغازِ عشق ہی میں ہوتے گم ہلالِ صہم
 انجامِ محبت کی قسم کچھ نہ پوچھیے

اب نہ ہمارا بھی اعتبار اٹھا
 زہا پر تشنہ لب پی اتنی
 لاکھ بہلا دیا چل بیٹھا
 ایسی کرد و طہ بد گیا عالم
 پھر تجھے نامہ لکھ رہا ہوں آج
 یاد پھر آگئے سنے و سنی
 ہم ہی اس درد سے نامراد آتے
 زندگی مجھے تو مار اٹھا
 نرم سے میں ہی شرمسار اٹھا
 تیرا غم دل میں بار بار اٹھا
 آدمیت کا بھی اعتبار اٹھا
 دل میں یا ہوں کا پھر غبار اٹھا
 پھر کوئی تشنہ میگر اٹھا
 و نہ ہر شخص کا سگار اٹھا

دشمنوں کا ہلاک شکوہ تھا
 دوستوں کا بھی اعتبار اٹھا

نویا بان

سینکڑوں غم ہیں سُکراہٹ میں
جوں خزاں فصلِ گل کی آہٹ میں

جو مزہ سادگی میں دیکھا ہے
وہ نہ دیکھا کبھی بناوٹ میں

ہے ہر اک شے میں اتنی آمیزش
آدمی کھو گیا ملاوٹ میں

گھپ اندھیرا ہے چار سو یا دو
عالمِ نو کی جگہ گاؤٹ میں

خود کو بھولا خدا کو بھولا ہے
یہ اشر ہے تری لگاؤٹ میں

زخم کھاکر جو سُکراتے ہیں
موت ہے غم کو اُن کی آہٹ میں

سُب حقیقت ہلا آں دنیا کی
لاکھ غم ایک سُکراہٹ میں

چھلکتا تیری آنکھوں کا وہ پیمانہ بھی دیکھا ہے
 گرد رستہ تیرا آج میں خانہ بھی دیکھا ہے
 ترے کوچے میں جو دل بستگی ہے وہ کہاں ممکن
 حرم بھی ہم نے دیکھا ہے اور بت خانہ بھی دیکھا ہے
 نہ اپنا دل سلامت دانا اپنی جان سلامت ہے
 کہیں مقتل کو جانے کوئی دیوانہ بھی دیکھا ہے
 سبز نفوس کے لئے ابرین کر چھا گئے جسم
 شکستِ توبہ اور ہاتھوں میں پیما نہ بھی دیکھا ہے
 کبھی اُلفت کے غم کی سختیاں دل پر گراں گزریں
 نثارِ شمع سوزاں ہم نے پروانہ بھی دیکھا ہے
 کہا کہ جس کے عقل و ہوش کا ہونا ضروری ہے
 بڑا عقل زمانے بھر میں دیوانہ بھی دیکھا ہے
 بہاروں کو جو ترسا اور خزاں کے جسمیں ٹپیرے ہوئے
 ہلال اس شہر دل سا کوئی ویرانہ بھی دیکھا ہے

جب اپنا دل تھا مسرور
 وہ دن پہنچے کتنی دور
 لوٹ لیا تم ہی نے دل
 یہیں رہ سوا اور تم مشہور
 کون سنے روادِ وفا
 کس کو کون کرے مجبور
 بھیک و فاکِ مانگیں ہم
 وہ جو دیں ہم کو منظور
 مارا کرب و اذیت نے
 راہ میں بیٹھے تھک کر چور

عشق سے ہمت لنگ ہلاں
 ظلم و ستم کا سیر اندھ کور

ہوا فصل خزاں کی آ رہی ہے
 مرے دل کی کلی مڑھار ہی ہے
 ذرا ہشیار رہنا اہل کشتی
 بھنور میں ناؤ پھر منڈلا رہی ہے
 کہیں پھر پیرزن آنے نہ پاتے
 وہ آہٹ کوہکن کی آ رہی ہے
 مری خامی چوراہے پر کھڑی ہے
 صدائے سنگ باری آ رہی ہے
 پھر اٹھے زلف کے گھنگھور بادل
 کہیں بجلی گرائی جبار ہی ہے
 ہلال اپنے غموں پر یوں ہے نازاں
 کہ دیوی عیش کی شرمار ہی ہے

کچھ کس نے یہ رونے کی گھڑی ہے
 جگر کے داغ دھونے کی گھڑی ہے
 ہوئے اندیشہ ہائے دامن تر
 چلو موتی پرونے کی گھڑی ہے

نئے عنوان تراشوزندگی کے
 حقیقت کو سمونے کی گھڑی ہے
 رہے شب بھر مرے سہام یہ اربان
 سلا دو ان کو سمونے کی گھڑی ہے

وہ منظر دیدہ حیراں نہ دیکھا
 نہ پلنے کی نہ نکھونے کی گھڑی ہے
 بکھرنے پھر لگی وہ کاکل شب
 خرد دانستہ نکھونے کی گھڑی ہے

ستم ایجاد ہونا ناگہرا
 کرم آمادہ ہونے کی گھڑی ہے

ہلالِ آسمانِ خم پیر مغاں سے
 غموں کے داغ دھونے کی گھڑی ہے

گونہ خم غم کی طرہتی ہے شدت کبھی کبھی
 ہوتی ہے دردِ عشقی میں لذت کبھی کبھی
 منزل کو چل پڑے ہو ہمیں بھول کر مگر
 تڑپائے گی ہماری ہی فرقت کبھی کبھی
 صحنِ چین کے پھول ہی رنگین نہیں حضور
 ٹپکے پہ نوکِ خار سے رنگت کبھی کبھی
 ایسے بھی جا نگداز مراحل گذر گئے
 کرنے لگے ہیں ترکِ محبت کبھی کبھی
 ہندوؤں کی نرمِ فصلِ گلِ ساقی ہو خمِ بدوش
 یوں بھی ہلا ل جاگی ہے قسمت کبھی کبھی

دھندلے دھندلے سے جو ستارے ہیں
شب گزاروں کے لیے سہارے ہیں

صرف چھلکے ہوئے نہیں یارو
جسام خالی بھی ہم کو پیارے ہیں

جو کھٹکتے ہیں نیشتر بن کر
ایسے بھی کچھ حسین نظر آتے ہیں

طعنہ زن ہیں میرے شعروں پر
دردنا آشنا چارے ہیں

اب وہ رنگیں صحتیں سیسی
ہم ہیں اور زخمِ دل ہمارے ہیں

روئے تاباں خرامِ سرو قد اں
خوابِ رنگیں کے نظر آتے ہیں

ہیں وہی دن ہلاکِ حاصلِ زلیبت
اُن کی جاہت میں جو گزارے ہیں

"زندگی موتیوں کی ڈھلکتی ٹری زندگی رنگ گل کا بیان دوستو
 دیکھئے کب ہو صحرائے اپنا گذر آج جو بن ہے گلستان دوستو
 ہیں اندھیرا جالوں سے اُلجھے ہوئے روشنی سرخرو ہو یہ ممکن بھی ہے
 ظلمتوں کا چلن عام اتنا ہوا نور کا ہم سے کیا ہو بیاں دوستو
 دن تو شیخ و برہمن کی تکرار میں خوب ترپا کئے خوب اُلجھا کئے
 چاندنی چھٹ رہی ہے تلوار اب ذرا وہ ہلائے ہے سیرمغاں دوستو
 موسم گل مبارک ہو سب کیلئے سبزہ سبز چلی ہیں وہ رنگینیاں
 پھول ہیں زیب کینچ چمن ہمدرد موفار ہیں زمینست گلستاں دوستو
 آبلہ پا ہوئے دل شکستہ ہوئے ایسے بھی مرے راہ میں آگئے
 اپنے کندھوں سے چاہا اتاریں کہیں زندگی کا یہ بار گراں دوستو
 بزم رنگ و طرب میں وہ فخر و ہین ان اب درد و غم کا مداوا کرے
 کوئی ہلام نہ ہو تو ذرا یہ کہو کون سمجھے گا دردِ نہاں دوستو
 سوچتے تھے ہلال اپنا کوئی نہیں جن پہ تکیہ تھا وہ چھوڑ کر چل دیئے
 دھڑنیں دل کی کہتی ہیں لیکن ابھی اپنا کوئی پہرہ پہن نہاں دوستو

ان کی سمت سے آیا پتھر تھایہ پھول یا کوئی پتھر
 ہاتھوں میں سب لے آئے ہیں کوئی مارے پہلا پتھر
 زیست روان سچا کرتے پٹنئے کون بنے رستے کا پتھر
 سچی اک اگلی ہوتی ہے دیکھا نعل اٹھایا پتھر
 شہر جنوں ہے اپنی بستی سب کا اپنا اپنا پتھر
 درد کے مار و غم کے پالو کر لو اپنا کلیجہ پتھر
 ٹنگ ہو آئیں آئیں کیسے شاید پھر وہ اکٹھا پتھر

کون ہلاں تجھے سمجھائے
 مول ہے اس دنیا کا پتھر

سستی پیہم رائیگاں ہے آج بھی آو چلیں
 غم ربا اب تو نہیں کوئی خوشی آو چلیں
 یہ ستم یہ قہر سامانی یہ رنگ بے دلی
 موت کا نقشہ ہے اپنی زندگی آو چلیں

اب اڑتا ہے ہنسی انسان کی اپنا ضمیر
 وحشتوں کا ہے نمونہ آدمی آو چلیں
 آس تھی سو مٹ گئی زخموں پہ زخم آتے رہے
 ہے وفاؤں کا یہاں بدلہ بھی آو چلیں
 کون انہوں کا سہارا غیر کا کیا اگلے
 دوستی کی آڑ میں ہے دشمنی آو چلیں
 غم کہلے تھا مارا و اجام اتے لیکن ہڑال
 اب تو غم انگیز ہے خود میکشی آو چلیں



دل کی محفل سجا کر رات کٹے کوئی نغمہ سن جا کر رات کٹے
 دل کی قندیل سوئی سوئی ہے نور بن جگمگا کر رات کٹے
 مختب ایک بس یہی اک جام سا قیا پھر پرا کر رات کٹے
 سب کے دیکھے یہاں پہ رامن تر تو بھی پھیلا ذرا کر رات کٹے
 روزِ دل تو واکرے کوئی آئے تھوڑی ہوا کر رات کٹے
 روح فرسا محیط سناٹا کوئی طوفان اٹھا کر رات کٹے
 اب حدیثِ دماغ رہنے دے نغمہ دل سنا کر رات کٹے

اہلِ عشرت ہلالِ خفتہ ہیں

مت جگامت جگا کر رات کٹے



تھکو

راستے کا مجھے پتھر جان کر
 کیوں لگائی تم نے ٹھوکر جان کر
 شعلہ زن آئی نظر ہر سوچ آب
 ہم بڑھے جب جب سمندر جان کر
 اب نہ روکو ہمدرد جانے ہی دو
 ہم چلے ہیں سوئے محشر جان کر
 اب تو منزل پر پہنچا ہے ضرور
 مجھ کو مت ٹالو سکندر جان کر
 رہزنوں کی ہر قدم پر لے ہلاک
 ہم نے کی تقلید رہبر جان کر



اپنے دل کے زخم دکھانا لیکن اک مجبوری ہے
 دنیا کو ہمارا بتاتا لیکن اک مجبوری ہے
 ٹھیس لگی ہے دل کے آئینے کو نگ حقیقت سے
 افسانوں کی اوٹ میں جاتا لیکن اک مجبوری ہے
 درد کے مارو اب اپنا خود آپ کہیں در مان کرو
 میں بھی تمہارے کام آجاتا لیکن اک مجبوری ہے
 موجِ ہلاکت خیز سے ٹکرائی ہے کشتی خود میں نے
 یوں تو ساحل پر لے آتا لیکن اک مجبوری ہے

میری خشک مزاجی پر یہ طنز تمہارا بے جا ہے
 پتے پتے ہوش گنواتا لیکن اک مجبوری ہے
 میں بھی ہوں اب ان مجھے عیش و طرب کی خواہش تھی
 دنیا کے دکھ کیوں اپنا تا لیکن اک مجبوری ہے
 عارض رنگیں زلف پریشاں اور عنایت بارِ نظر
 بھول کے ان گویوں بھلاتا لیکن اک مجبوری ہے
 چہرے پر سیاں خول چڑھائے پھرتا ہے ہر شخص ہلاک
 اصلی چہرہ کون چھپاتا لیکن اک مجبوری ہے

چھوڑاے دل گلستان کی گھر کی بات
 اب تو ہیں ہوں اور دشت و در کی بات
 جان دیکر آن ہم رکھتے ہیں یا ر
 شوق والوں سے نہ پوچھو سر کی بات
 دار ہے اہل جنوں کا مشغلہ
 واعظوں پر چھوڑیے منبر کی بات
 راستے منزل کی جانب خود چھٹیں
 دوستو چھوڑو کسی رہبر کی بات
 کب تلک یہ خواب غفلت کب تلک
 چھٹرو یا رو پھر کسی محشر کی بات
 منجند ہونے نہ دے اپنا لہو
 تیر کی سن بات کر نجر کی بات
 گریہ و آہ و فغاں کب تک ہلاں
 اب کھا مظلوم کو ٹنکر کی بات

ہو گئی جب سے مقدر بے کسی میرے لیے
 تم نے بھی جائز سمجھ لی بے رخی میرے لیے
 روح پرورائے نظار و گل بداماں منتظر
 کس خطا پر نار و اٹھہری خوشی میرے لیے
 آج میری موت کے خواہاں وہی دما ساز ہیں
 جن کے ہونٹوں پر دُمائیں تھیں کبھی میرے لیے
 میں بھلا آغاز سے گھبراؤں کیوں یہ جان کر
 امتحان کتنے ہی باقی ہیں ابھی میرے لیے
 تیر جتنے غیر کے ترکش میں تھے جھیلے ہر اک
 وقف کی اپنوں نے اب نشتر زنی میرے لیے



ابھی اس میں مشغور تازگی ہے خزاں دیدہ اگر دل کی کلی ہے
 چلتے تھے دور تک جس کے ہمارے اپنا کر وہ خدائی چھپ گئی ہے
 ہے دل میں ارستاں داستانِ غم خوشی تھی کہ چہرے پر سچی ہے
 گرائے محلِ خوابوں کی بنا کر عجب اپنا بیہ طرزِ زندگی ہے
 اہلِ خیر! وہ افسوں نظر کا کہ دل نا آشنائے ساحری ہے
 ہے آتشِ زہیر خاکِ تر خوشی نہ سمجھو ہمدردی بالکل سمجھو ہے
 مقرر ہے شکستِ اہلِ کینہ کہ مسکاپنا صلحِ وادشتی ہے
 ہلا آں اس رشکِ گل کو آج دیکھا
 دل ویراں میں اک پلچل مچی ہے

وہ آئیں تو اتنا ہوگا زخم پرانا تازا ہوگا
 یوں تو ہم انجان ہیں ساقی کہتے ہو تو دیکھا ہوگا
 یہ جذبات کی باتیں آگے اپنا اپنا رستا ہوگا
 شہر کے لوگو جانے دو اب گلیوں کا رکھو والا ہوگا
 تم سے آنکھ لڑانے والا دشمن اپنی جان کا ہوگا
 ساتھ چلتے تھے میں کیوں بھٹکا تم نے رستہ بدلا ہوگا
 ہم لوگوں کا کون ٹھکانا کعبہ یا بت خانہ ہوگا
 زلفوں کی زنجیر سمیٹو کوئی دل آوارا ہوگا

وقت ہٹاں اڑا جائے ہے

اب تو کر جو کرنا ہوگا



مجھ سے کیا اُمید کرم کی میں خود غم کا پالا ہوں
 کشتی ہے طوفان کی زد پر جو کوا رکھوالا ہوں
 دنیا میں خوشیاں بھی غم بھی اپنے حقے میں آئے
 غم اپنے خوشیاں بانٹیں میں ایسا دل والا ہوں
 ترکِ تعلق پر آؤں تو اندھیاروں کا سایہ ہوں
 محفل آرائی ہے شیوہ میں ہر طور نرالا ہوں
 مہک تمہارے وصل کی اب بھی میری گت گت پنہاں
 تیرے دل کی کیا جانوں خوشبو یا ایک ہمالا ہوں

جادہ عشق پہ لافانی تصویر ہلاں وہ میری ہے
 دشمن چاہے لاکھ مٹائیں میں کب مٹنے والا ہوں



دل کی بستی میں یارو
 غم کا کوئی کال نہیں
 عشق کو آساں مت سمجھو
 یہ بازاری مال نہیں
 جادہ جادہ منزل ہے
 سیدی اپنی چال نہیں
 چہرہ آخر چہرہ ہے
 چہرہ دل پر دال نہیں
 عشق کی دنیا میں یارو
 حسن کے ماہ و سال نہیں
 غم کا پیکر تھا ہی کب
 جواب آج ہلال نہیں

دنیا پہ میں فدا تھا ابھی کل کی بات ہے
ہر ذرہ دلِ باتھا ابھی کل کی بات ہے

ہر قدم پہ سوت کے سائے ہیں پر غشا
جینے کا حوصلہ تھا ابھی کل کی بات ہے

منہ پھیر کو وہ آج مجھے دیکھ کر چلا
سائے کو پوجتا تھا ابھی کل کی بات ہے

تاریکیوں کا ایک سمندر جو علم ہے
مخزن وہ نور کا تھا ابھی کل کی بات ہے

ٹھکر رہے ہیں پائے حقارت سے وہ حسین
جن کا میں دیتا تھا ابھی کل کی بات ہے

بے برگ و بار کشتِ جیاتِ ہلاں ہے
کپڑوں و زینتِ باتھا ابھی کل کی بات ہے

وہ عشق نے دی ہے بیقراری کہ جس پہ صبر و قرار صدقے
 خزاں بھی تجھ کو ہے یوں گوارا کروں میں جس پہ بہار صدقے
 عطا ہوئیں ستیاں کچھ ایسی کہ جام و مینا کا نام بھولے
 نگاہ جانناں پہ ساری دنیا کے میکدوں کا خمار صدقے
 چشمِ نرگسِ گلاب عارضِ زبانِ ہوسنِ اسحاب زلفیں
 مری تجھ سم بہارِ تجھ پہ ہزار باغ و بہار صدقے
 بھلا مری زندگی ہے کیا شے بناؤ ترے یہ وجود کیلے
 تری اداؤں کا کھس ہیں ہوں میں تجھ پہ صدقے ہزار صدقے
 شبوں کو ٹٹہرائے یاد تیری دنوں کو تیرا خیالِ محفل
 مرے پریشان روز و شب پر سکوں کے لیل و نہار صدقے
 جہاں جہاں سے گزر ہو تیرا میں راہوں پہ چلنے والے
 غبارِ پر یہ جیسے تصدق و وفا پہ میرا وقار صدقے
 جاں اس کا ازل سے اب تک ہے ماورائے ظن و تخیل
 ہلالِ بے رنگ و بو چمن پر ہزار رنگ و شکار صدقے

سامنا ہے پتھروں کا راہ میں
 ہم سفر ہے بس اندھیرا راہ میں
 دکھ بھری خوشیاں دکش حادثے
 دیکھ آئے ہم بھی کیا کیا راہ میں
 پھول بن کر جو کھلا تیرا خیال
 پتیوں کی طرح بکھرا راہ میں
 راہبر کا روپ دھارے راہزن
 ہم یہ محشر بھی گزرا راہ میں
 ڈھلتے سورج کو لے ہر اک شجر
 اپنے قدم کو تپاتا تھا راہ میں
 راہبر منزل کی جانب تھا ہلاں
 ان کا ہر نقش کفِ پا راہ میں

پر خار رگنہر ہے ذرا دیکھ کر چلو
 باقی ابھی سفر ہے ذرا دیکھ کر چلو
 طوفاں بدوش آندھیاں انجان ناخدا
 ساحل نہیں بھنور ہے ذرا دیکھ کر چلو
 تاریکیوں میں ہر قدم اٹھتا تھا بے خطر
 ہونے کو اب سحر ہے ذرا دیکھ کر چلو
 تنہا روی میں خوف نہ کھٹکانہ ڈر رہا
 اب کوئی ہم سفر ہے ذرا دیکھ کر چلو
 عزم سفر ہے عشق کی جانب تو راہ میں
 سبزہ نہیں شہر ہے ذرا دیکھ کر چلو
 وہ دن گئے ہلالِ نظر تھی بہار پر
 ہر شے خزاں اثر ہے ذرا دیکھ کر چلو



برگل

Digitized By eGangotri

فصل گل بھی ہے جوئے آب بھی ہے
 محفلِ نغمہ و شراب بھی ہے
 آوِ لیے میں اب تو آجاؤ
 جوش پر بے وفا شباب بھی ہے

جام چھلکا گئیں تری آنکھیں
 ہوش پر چھا گئیں تری آنکھیں
 آہ اٹھ کر گئی ہے جب سے تو
 خون رلو اگتیں تری آنکھیں

میں ہوں تنہا رات ہے آواز دو
 جوشِ جذبات ہے آواز دو
 کیوں ہے ساقی آج ہی محفلِ دور
 میکشو، برسات ہے آواز دو

مقدر اپنا جو چاہو بس لو
 خوشی بھی اور غم بھی ہے جہاں ہیں
 کسی نے بھریا پھولوں سے دامن
 ملے کلنٹے کسی کو گلستاں ہیں

آہ اب کی بہار بھی گزری
 ہم سے پرے نیاز ہی گزری
 ملتے ہم شباب کی کلیاں
 تازہ ہوتیں اگر گئی گزری

کچھ نہ پوچھو جہاں کی حالت کا
 علم انسان کی جہالت کا
 چھل کیٹ اور قتل و غارت کو
 نام دلکش دیا سیاست کا

مبارک اے بہار و سکرانا
 چمن کے ذرے ذرے کو سجانا
 تمہارے پاس کانٹوں کی نہیں جا
 مجھے بخشو غموں کا یہ خزانہ

تیری زلفیں اگر اُلجھ جائیں
 کالے بادل جہاں پہ چھ جائیں
 اک چمن ہو شگفتہ کلیوں کا
 ہونٹ تیرے کبھی جوڑ کائیں

بہار آئی کہ پھر غنچے کھلے ہیں
 نورِ سحانِ گلشنِ آملے ہیں
 خزاں دیدہ مراد لکھل نہ پایا
 وہی میں ہوں غموں کے سلسلے ہیں

نہیں ہے کوئی ہمد اس جہاں میں
 بتاؤں کس کو یہ رازِ نہاں میں
 مبارک تم کو صحرا کے گل تر
 ملے کٹے ہی مجھ کو گلستاں میں

محبت کے گنہگاروں میں ہم ہیں
 ستم کے ظلم کے ماروں میں ہم ہیں
 مگر اچھے ہیں اُن سے جو ہیں نازان
 کہ دنیا کے دل آزاروں میں ہم ہیں

کب تک پائمال رہنا ہے
 کب تک خستہ حال رہنا ہے
 فیصلہ کہ اٹھو یہ مظلومو
 یوں نہ غم کی مثال رہنا ہے

بے حد وہ حساب چلتے ہیں
 پی کے غم کی شراب چلتے ہیں
 کشتِ حسرت اُجڑ گیا اپنا
 حسرتوں کے گلاب چلتے ہیں

یہ گھٹنا اور تکبر کہ بڑا حاکم ہوں
 دوست یہ نشہ بہت جلد اتر جائے گا
 آج مغرور ہے کل ہوگا پشیمان لیکن
 تیرا افسوس ترے کام نہیں آئے گا

پھرتی تاب و تو اں پیدا کریں
 دل میں تخیلِ جو اں پیدا کریں
 چھائی ہے دنیا پہ تاریکی ہلال
 آفتابِ صوفشاں پیدا کریں

ظلمتِ پرشاں تو نہیں نور بھی معارف
 ہر شے ہے یہاں عام اس دستور کو دیکھو
 خالی نہیں ہے چمنوں سے آج بھی دنیا
 اے نہ اعتبار تو منظور کو دیکھو

دین و دھرم دیوار بنے یہ کیسے ہو
 یہ انسان خود بخوار بنے یہ کیسے ہو
 ہمدردی کا، پریم کا جو پرچار کرے
 وہ مذہب تلوار بنے یہ کیسے ہو

دھرم کے پابند تم ہیں دین کا صید زبوں
 سوچتا ہوں تاجرانِ رام و رحمن سے کہوں
 گر بھی یکساں ہیں اہلِ خدا و رام داس
 امتیاز اتنا بھلا انسان اور آدم میں کیوں

ساری دنیا کی جفائیں تھیں گوارا لیکن
تم کو بھی اس کے ستم ڈھانے میں شامل دیکھا

وہ جو لمحے فوت ہوا کئے مرے پر بہارِ شباب کے
وہی شہر بن کے سنور گئے مرے آہ و نال کے تارِ پہ

عاشق ہے جولا کھوں میں وہ شوخ نظر پہچانے ہے
تم کیا جانو نیلشِ بخت یہ تو دل ہی جانے ہے

شعورِ بندگی، طرزِ وفا، ذوقِ جفا طلبی
نیازِ اپنا تمہارے نازِ اکثر یاد آتے ہیں

ایک وہ ہیں کہ ہنس کر جیتے ہیں
ایک ہم ہیں کہ اشک پیتے ہیں

Digitized By eGangotri